ابو سعید حنیف احمد محمود۔ برطانیہ

✿✿✿ تقریر ✿✿✿

تقریر بابت اخلاقیات
وقت 5-7 منٹ

انسان اور کِردار

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ۙ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا (الکہف:108-109)

کہ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان کے لئے مہمانی کے طور پر فردوس کی جنتیں ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں۔ کبھی ان سے جدا ہونا نہیں چاہیں گے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سامعین! مجھے آج ایک دفعہ پھر ایک اور زاویہ سے انسان کی حقیقت، اصلیت، اُس کی اہمیت اور دوسری مخلوق پر فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی انسانیت کے ناطے اُس کے اعلیٰ وارفع کردار پر اختصار سے روشنی ڈالنی ہے اور تقریر کا عنوان مَیں نے رکھا ہے۔"انسان اور اس کا کردار"

عنوان کے ہر دو الفاظ یعنی انسان اور کِردار لغات میں معنوی اعتبار سے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ دنیا میں اللہ کی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انسان اور حیوان۔ حیوانات میں مویشی، چوپائے، چرند پرند، کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض آجاتے ہیں اور اصطلاحاً ایسے انسان کے لئے بھی حیوان کا لفظ بولا جاتا ہے جو نادان، بے وقوف، بے سلیقہ، بدتمیز اور گنوار ہو۔ جبکہ انسان، آدمی اور بشر کو کہتے ہیں جو محبت رکھنے والا ہو اور اخلاق اور اوصاف سے آراستہ ہو یعنی مہذّب اور آدمیت رکھنے والا انسان۔ انسانیت اِسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسی آدمیت جو باتمیز، باشعور اور عقل رکھنے والی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسان کے لفظ کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ یہ لفظ دراصل اُنسان تھا یعنی جو اپنے اندر دواُنس یعنی دو محبتیں لئے ہوئے ہو اوّل اپنے خالقِ حقیقی سے محبت اور دوسرے انسانیت سے محبت۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"اِس (اِنسان) میں دو اُنس ہیں۔ ایک اُنس احکام الٰہی سے۔ دوم مخلوق الٰہی سے۔ دُنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ کئی ایک محض بے گناہ قید ہوجاتے ہیں اور ظالمانہ دست اندازیوں کا نشانہ بنتے ہیں مگر اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پرواہ نہیں کرتے اور دعاؤں سے اس کی پناہ نہیں چاہتے اور شریعت میں بالکل لاپروہ ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اُن سے لااُبالی کا معاملہ کرتا ہے ورنہ اِن کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہوتا تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے دوست کو دشمنوں کے ہاتھوں میں یوں چھوڑتے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 129-130)

سامعین! جہاں تک کاف کی زیر کے ساتھ کِردار کے لغوی معنوں کا تعلق ہے۔ اِس کے معنی خَصلت، عادت، چال چلن، طور طریق، کام، رویّہ، برتاؤ، رَوش اور رنگ ڈھنگ کے ہیں۔ جن سے انسان کی پہچان بن سکے۔ یہ یاد رہے کہ اداکاری اور کِردار میں فرق ہے۔ اداکاری میں بناوٹ، رکھ رکھاؤ اور جھوٹ و ملمع سازی شامل ہوتی ہے جبکہ سچا، سُتھرا کِردار ایک سلیٹ پر انمٹ نقوش ہوتے ہیں جو کبھی مدہم تو نہیں ہوتے تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوڑے ضرور ہوتے جاتے ہیں۔ یہ وہ کِردار ہوتا ہے جو دوسروں پر اثر انداز ہوتا اور غیر بھی اُس کِردار کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسے ہم اخلاقِ حسنہ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ یہی وہ اعلیٰ کِردار ہے جس کے پیچھے ایک انسان چھپا ہوتا ہے وہ اِنسان جو دواُنس اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اِسی لئے کسی نے کہا ہے کہ

"مَیں جب بھی کوئی کِردار نبھاتا ہوں تو میرے وجود کا ایک حصہ اُس میں رہ جاتا ہے۔"

اِس حصّے کو ہم آج کی دنیا میں جماعت احمدیہ کے خلیفہ اور امام پر چسپاں کریں تو دو اور دو چار کی طرح یہ تعریف پوری اُترتی ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح جب خطبات دیتے اور احبابِ جماعت کو مخاطب ہو کر خطابات فرماتے ہیں تو وہ آواز آپ کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر احبابِ جماعت کے دلوں میں اُتر رہی ہوتی ہے اور ہم سب ساتھ کے ساتھ یہ عہد بھی باندھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اِن نصائح پر عمل کر کے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنائیں۔ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بن جائیں، خلفاء اور اپنے اکابرین جیسے عمل بجالا کر اُن جیسے ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"غرض خُلق محل پر مومن اور غیر محل پر کافر بنا دیتا ہے۔ مَیں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کوئی خُلق بُرا نہیں بلکہ بد استعمالی سے بُرے ہو جاتے ہیں۔

حضورؑ نے حضرت عمرؓ کی مثال دی کہ اسلام سے قبل آپؓ کا غصّہ غلط استعمال میں تھا۔ جبکہ اسلام کے بعد آپؓ کا غصّہ درست جگہ پر استعمال ہوتا رہا۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 230)

منّ و احسان سے اعمال کو کرنا نہ خراب
رشتۂ وصل کہیں قطع سرِ بام نہ ہو

ہمارے خلفاء جب وعظ و نصیحت فرماتے ہیں تو اِن کی کیفیت یوں محسوس ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: 4) کہ کیا تُو اپنی جان کو اِس لئے ہلاک کر چھوڑے گا کہ وہ مؤمن کیوں نہیں ہوتے۔ یعنی باکردار اور اسلامی اعمال کا کامل نمونہ کیوں نہیں بنتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ! پرہیز گار بنو تُم سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے۔ قانع بنو تم سب لوگوں سے زیادہ شکر گزار ہو جاؤ گے۔ لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ تُم مومن ہو جاؤ گے اور جو تمہارا پڑوسی ہے اُس سے اچھی ہمسائیگی کرو تم مسلمان ہو جاؤ گے اور کم ہنسا کرو کیونکہ ہنسنے کی کثرت دل کو مُردہ کر دیتی ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الزھد)

سامعین! اب دیکھیں اِس حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کامل انسان تھے اور یہ چاہتے تھے کہ میرے پیروکار اپنے اعمال اور کردار سے مومن اور مسلمان بنیں رہیں اُن کے لئے ایک چارٹر آف پیس اِن الفاظ میں بیان فرمادیا۔ اگر تم اِن پر عمل کرو گے تو ایک اچھے انسان بن جاؤ گے۔ تب تم مؤمن یعنی امن میں رہنے والا اور دوسروں کو امن میسر کرنے والے ہو جاؤ گے اور تم اچھے انسان ہو کر اچھے مسلمان بھی کہلاؤ گے اور تم اِس تعریف پر پورا اُتر رہے ہو گے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ کہ اصل حقیقی مسلمان وہ ہے جس سے کمیونٹی اور معاشرے میں بسنے والے دیگر مسلمان تمہاری زبان اور ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ ایک اچھے کردار والے انسان اور مسلمان کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول وضع فرمایا کہ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ

(ترمذی کتاب الزھد)

کہ انسان کے اسلام کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ انسان لایعنی بیکار اور فضول باتوں کو چھوڑ دے۔ یہی وہ فرق ہے جو مَیں انسان اور حیوان میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔

سامعین! امریکی ماہرین نفسیات نے کہا ہے کہ روحانی پاکیزگی اور مذہب کی طرف رجحان کا مردوں اور خواتین کی دماغی صحت پر بھی اثر پڑتا ہے اور روحانی پاکیزگی اور عبادت میں زیادہ وقت گزارنے والے دماغی طور پر زیادہ صحت مند ہوتے ہیں۔ حال ہی میں شائع کی جانے والی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق ماہرین نے مردوں اور خواتین پر مشتمل 718 بالغ افراد کے ایک گروپ کا تحقیقی مطالعاتی جائزہ لیا جن میں سے اکثر نے بچپن کے مقابلے میں بلوغت تک پہنچنے کے بعد اپنی مذہبی و روحانی سرگرمیوں کو کافی حد تک تبدیل کر لیا تھا۔ ماہرین نے ان افراد سے کئے گئے سروے اور دیئے گئے سوالناموں کے جوابات کی روشنی میں اخذ کیا کہ ایسی خواتین جنہوں نے عبادت وغیرہ چھوڑ دی تھی، اُن میں عبادت کرنے والی خواتین کی نسبت افسردگی اور ڈپریشن لاحق ہونے کا امکان تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ خدا کی ذات پر بھرپور یقین رکھنے والے افراد کے دماغ کا ایک مخصوص حصہ، اُن کی غلطیوں پر اُنہیں متنبہ کرتا ہے اور اچھائی اور بُرائی کے فرق کو اُن کے لئے واضح کرتا ہے۔ نیز دماغ کا یہی حصہ مذہبی افراد کو کسی مشکل صورتِ حال کے دوران کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے

بارے میں فیصلہ کُن راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ مذہبی لوگ نہ صرف ذہنی پریشانیوں میں کم مبتلا ہوتے ہیں بلکہ اپنی غلطیوں کو تسلیم کرکے اصلاحِ احوال کرنے کے بھی عادی ہو جاتے ہیں۔ کسی غلط کام سے اپنے آپ کو روکنا ہمارے کردار کی مضبوطی کا ضامن ہوتا ہے اور اس میں مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(انسان کی عمر اور صحت میں مذاہب کا کردار از محمود احمد ملک)

ایک اور مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی کُنجی یا جنت کا راستہ بتاتے ہوئے جس عمل کی نشان دہی فرمائی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز باجماعت پڑھو، زکوٰۃ دو اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور حسن سلوک کرو۔

(بخاری کتاب الادب)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار جگہوں پر اپنے صحابہ کو ایسے افعال اور اعمال بتائے جس پر عمل کرکے آپؐ کا پیروکار اچھا انسان بن سکتا ہے۔ ان میں سے ایک روایت آپ حاضرین کے سامنے رکھنا مفید ہوگا۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم اور سات باتوں سے منع فرمایا۔ آپؐ نے ہمیں ارشاد فرمایا مریض کی عیادت کا، جنازہ کے پیچھے چلنے کا، چھینک کے جواب دینے کا اور قَسم پوری کرنے یا قَسم کھانے والے کی قَسم پورا کرنے میں مدد کرنے کا اور مظلوم کی مدد کرنے کا اور پکارنے والے کی پکار کے جواب دینے کا اور سلام کا رواج دینے کا اور آپؐ نے ہمیں انگوٹھیوں سے یا (فرمایا) سونے کی انگوٹھیاں پہننے سے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے اور ریشمی زین پوشوں سے، قسی بستی میں بننے والے ریشمی کپڑوں سے، ریشم کے پہننے سے، موٹے ریشم سے اور ریشمی لباس کے استعمال سے منع فرمایا۔

(حديقة الصالحين حديث 701)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عمل اور کردار کی اہمیت یوں بیان فرمائی:

"اللہ تعالیٰ عمل کو چاہتا اور عمل سے ہی راضی ہوتا ہے اور عمل دُکھ سے آتا ہے۔ لیکن جب انسان خدا کے لئے دُکھ اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اس کو دُکھ میں بھی نہیں ڈالتا۔ دیکھو! ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کر دینا چاہا اور پوری تیاری کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو بچا لیا وہ آگ میں ڈالے گئے لیکن آگ اُن پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ تکالیف سے بچا لیتا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں جسم تو ہے رُوح نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ رُوح کا تعلق جسم سے ہے اور جسمانی امور کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ جسم سے رُوح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس قدر اعمال انسان سے ہوتے ہیں وہ اسی مرکب صورت سے ہوتے ہیں۔ الگ جسم یا اکیلی رُوح کوئی نیکی یا بد عمل نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ جزا سزا میں بھی دونوں کے متعلقات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 429)

میاں نبی بخش نمبردار پنڈوری نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ حضور! کیا مَیں لکھا پڑھا آدمی نہیں ہوں۔ آپؑ نے فرمایا "علم کیا اصل ضرورت عمل کی ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 142)

سامعین! ہمارے اعمال ہی ہمارے کردار کا عکس ہیں۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تمہاری بیعت کا اقرار کرنا زبان تک محدود رہا تو یہ بیعت کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی۔ چاہئے کہ تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں۔ مَیں ہرگز یہ بات نہیں مان سکتا کہ خدا تعالیٰ کا عذاب اس شخص پر وارد ہو جس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ خدا تعالیٰ اسے ذلیل نہیں کرتا جو اس کی راہ میں ذلت اور عاجزی اختیار کرے۔ یہ سچی اور صحیح بات ہے۔ پس راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو۔ کوٹھڑی کے دروازے بند کرکے تنہائی میں دعا کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اپنا معاملہ صاف رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تمہارے شامل حال ہو۔ جو کام کرو نفسانی غرض سے الگ ہو کر کرو تا خدا تعالیٰ کے حضور اجر پاؤ۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 272)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

"یادرکھو! نری بیعت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس رسم سے راضی نہیں ہوتا جب تک کہ حقیقی بیعت کے مفہوم کو ادا نہ کرے۔ اس وقت تک یہ بیعت، بیعت نہیں نری رسم ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کے حقیقی منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو اور اس پر تدبر کرو اور پھر (اس پر) عمل کرو کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرے اقوال اور باتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اس کے احکام کی پیروی کی جاوے اور اس کے نواہی سے بچتے رہو اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی نری باتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی خدمت ہی سے خوش ہوتا ہے۔ سچے مسلمان اور جھوٹے مسلمان میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جھوٹا مسلمان باتیں بناتا ہے کرتا کچھ نہیں اور اس کے مقابلے میں حقیقی مسلمان عمل کر کے دکھاتا ہے، باتیں نہیں بناتا۔ پس جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ میرے لئے عبادت کر رہا ہے اور میرے لئے میری مخلوق پر شفقت کر رہا ہے تو اس وقت (وہ) اپنے فرشتے اس پر نازل کرتا ہے۔ اور سچے اور جھوٹے مسلمان میں جیسا کہ اس کا وعدہ ہے فرقان رکھ دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد نمبر 3 صفحہ 215)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے فرمایا:

"ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن اور بعثت کا مقصد صرف عقائد کی اصلاح کرنا نہیں تھا۔ آپ نے واضح فرمایا ہے کہ بندے کا خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑنا اور اعمال کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے اس چیز کے لئے آپ تشریف لائے ہیں۔ بندے کا ایک دوسرے کے حق ادا کرنا بھی ایک مقصد ہے اور یہ سب باتیں اعمال پر منحصر ہیں۔ نیک اعمال بجالا کر خدا تعالیٰ کا بھی حق ادا ہوتا ہے اور بندوں کا بھی حق ادا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر فرمایا تھا، پہلے بھی میں کئی دفعہ یہ چیزیں بیان کر چکا ہوں۔ فرمایا کہ "یاد رکھو کہ صرف لفّاظی اور لسّانی کام نہیں آسکتی جب تک کہ عمل نہ ہو۔ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 48۔ ایڈیشن 2003ء) پھر ایک موقع پر فرمایا: "اپنے ایمانوں کو وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر انسان کی عملی حالت درست نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 249۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ) پس اگر ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن میں کارآمد ہونا ہے۔ آپ کے مقصد کو پورا کرنے والا بننا ہے تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم میں سے ہر ایک اپنی عملی اصلاح کی روکوں کو دُور کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ کیونکہ یہ عملی اصلاح ہی دوسروں کی توجہ ہماری طرف پھیرے گی اور نتیجۃً ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کی تکمیل میں ممدّ و معاون بن سکیں گے۔ پس ہمیں سوچنا چاہئے کہ اس کے حصول کے لئے ہم نے کیا کرنا ہے؟ کیونکہ ہمارے غالب آنے کا ایک بہت بڑا ہتھیار عملی اصلاح بھی ہے۔ ہماری اپنی اصلاح سے ہی ہمارے اندر وہ قوت پیدا ہو گی جس سے دوسروں کی اصلاح ہم کر سکیں گے۔ ہمارے غالب آنے کا مقصد کسی کو ماتحت کرنا اور دنیاوی مقاصد حاصل کرنا تو نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے دل اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈالنا ہے۔ لیکن اگر ہمارے اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں ہے تو دنیا کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہماری باتیں سنے۔ پس ہمیں اپنی عملی قوتوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور پھر مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ خود دوسروں سے مرعوب ہونے کی بجائے دنیا کو مرعوب کرنے کی ضرورت ہے آجکل جبکہ دنیا میں لوگ دنیاداری اور مادیت سے مرعوب ہو رہے ہیں ہمیں پہلے سے بڑھ کر اپنی حالتوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ نظریں رکھتے ہوئے اپنے آپ کو دنیا کے رعب سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ اور دنیا کو بھی ان شیطانی حالتوں سے نکالنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے والے ہم بن سکیں اور دنیا کی اکثر آبادی بن سکے۔ لیکن اس کے راستے میں بہت سی روکیں ہیں۔ اس کے لئے ہم نے اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کرنی ہے کہ ان روکوں کو دُور کر سکیں۔ ہمیں دنیا کے مقابلے کے لئے بعض قواعد تجویز کرنے ہوں گے جو ہم میں سے ہر ایک اپنے اوپر لاگو کرے اور پھر اُس کی پابندی کرے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے نفسوں کی قربانی دینی ہو گی اور ایک ماحول پیدا کرنا ہو گا۔ جب تک ہمیں یہ حاصل نہیں ہوتا، ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 جنوری 2014ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

✡✡✡✡